شمارہ: ۴	رجب ۱۴۳۸ھ مطابق اپریل ۲۰۱۷ء	جلد: ۱۰۱

مدیر	نگراں
مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 101, Issue No. 4, April 2017 अप्रैल 2017
Printer Publisher :- Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
Owner :- Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/=	Annual Subscription Rs. 200/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ-/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

مولانا کفیل احمد علویؒ
عالم، مصنف، صحافی، شاعر اور بے نیاز انسان

از: نایاب حسن

تمام تر یک سوئی، خلوت نشینی اور آس پاس کے ہنگاموں سے بے نیاز ہوکر علم و قلم اور شعر و ادب کی خدمت میں مصروف رہنے والے حضرت مولانا کفیل احمد علوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۳۷-۲۰۱۷ء) نے اپنے بیش بہا تجربات اور رجال سازی کی صلاحیتوں کی بدولت سیکڑوں نوجوانوں کی علمی و قلمی تربیت میں بھی اہم ترین رول ادا کیا، وہ ایک مخلص ترین استاذ تھے اور سادہ ترین انسان، شیخ الہند اکیڈمی میں طالب علمی (۲۰۱۱-۱۲ء) کے دوران دو سال مسلسل میں نے انھیں قریب سے دیکھا، ان سے استفادہ کیا اور بہت کچھ سیکھا، ان کی اپنی ایک دنیا تھی، گرد و پیش کے ہاؤ ہو سے بے نیاز وہ اپنے آپ میں مگن رہتے، بغل میں ایک چھوٹا سا بیگ دبائے پابندی سے شیخ الہند اکیڈمی آتے، صحافت و تحریر کے حوالے سے طلبہ کی رہنمائی کرتے، صبح سے شام تک مختلف مرحلوں میں چائے کا دور چلتا اور تعلیمی وقت کے اختتام کے ساتھ ہی وہ اپنے گھر کو روانہ ہوجاتے، کم و بیش پچاس سال انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے مختلف شعبوں میں استاذ، نگراں یا ذمے دار کی حیثیت سے گزارے؛ مگر وہ کسی بھی قسم کی انتظامی یا غیر انتظامی سیاست سے یکسر الگ رہے، اسی کی دہائی میں دارالعلوم میں جو تبدیلی آئی تھی، اس کے وہ چشم دید گواہ تھے؛ بلکہ کئی بار انھوں نے مجھے اس دور کے بعض واقعات بھی سنائے؛ لیکن اس پورے منظرنامہ میں وہ کسی بھی قسم کے تنازع سے دور ہی رہے، ان کی نگاہ معاملہ شناس اور دل دماغ بیدار تھے۔ وہ ایک ذہین ترین آدمی تھے، جب بات چلتی تو وہ تاریخ کے بعض دلچسپ اور پوشیدہ حقائق و واقعات کی مختلف پرتوں کو بڑی پرکاری سے کھولتے، وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے آخری دور کے شاگردوں میں سے تھے اور ان کا علم متحضر تھا، جب کبھی کسی علمی موضوع پر بحث چھڑتی ،تو بڑی دقیقہ سنجی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔

ان کے والد حضرت مولانا جلیل احمد کیرانوی دارالعلوم کے استاذِ حدیث تھے، حضرت مولانا علوی کی پوری تعلیم از ابتدا تا انتہا وہیں ہوئی، اس کے بعد تا زندگی دارالعلوم ہی میں تدریسی، تصنیفی، صحافتی خدمات انجام دیں۔ان کا اصل میدانِ عمل تحریر وتصنیف اور شعروشاعری تھا، ۱۹۵۰ء سے انھوں نے با قاعدہ لکھنا شروع کیا اور ''تجلی''، ماہنامہ ''دارالعلوم'' اور ''چراغِ حرم'' جیسے رسائل میں چھپنے لگے، اس کے بعد مختلف ادوار میں ان کے قلم سے ''تقریرِ بخاری''، ''اسلام مدینہ سے مدائن تک''، ''اعجازِ نبوی'' اور ''راہِ حق کے مسافر'' جیسی کتابیں منظرِ عام پر آئیں، انھوں نے متعدد عربی کتابوں کے اردو ترجمے بھی کیے، جب پندرہ روزہ ''آئینۂ دارالعلوم'' نامی اخباری جریدے کا اجرا عمل میں آیا، تو اس کی ادارت انھیں سونپی گئی اور اپریل ۲۰۰۹ء تک انھوں نے اس پرچے کی بخوبی ادارت کی، اس دوران ملکی و عالمی حالات پر انھوں نے بیش قیمت شذرات تحریر فرمائے، جب روزنامہ سہارا شروع ہوا، تو ابتدا میں ایک عرصے تک اس میں کالم لکھتے رہے، پھر یہ سلسلہ رک گیا، اخبار والے مضمون کا مطالبہ کرتے اور وہ انھیں ٹالتے رہتے۔ وہ عموماً سیاسی وسماجی موضوعات پر لکھا کرتے تھے اور ان کی تحریروں میں جہاں فکری بصیرت کا عنصر بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا، وہیں فنی اعتبار سے بہترین نثر کی تمام تر خصوصیات ان کی تحریروں میں ملتی تھیں، وہ حالات کا تجزیہ موضوع کے تمام تر پہلوؤں پر حاوی ہو کر کیا کرتے تھے اور ان کے طریقۂ استنتاج سے معلوم ہوتا تھا کہ بلاشبہ وہ ایک دیدہ ور اور زمانہ شناس صحافی ہیں، ''آئینۂ دارالعلوم'' میں کم وبیش پچیس سال تک مسلسل لکھے گئے ان کے اداریے اور مضامین اس قابل ہیں کہ انھیں جمع کر کے شائع کیا جائے، یہ ایک اہم کام ہوگا اور مولانا کو بہترین خراجِ عقیدت بھی!

مولانا طلبہ کی تربیت بڑے خلوص اور لگن کے ساتھ کرتے تھے، اپنے شاگردوں کی کامیابی پر بہت خوش ہوتے اور اس کا اظہار بھی کرتے، ان کے زیرِ تربیت کوئی طالب علم اگر اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتا، تو دوسروں کے لیے اسے نمونہ قرار دیتے، کسی طالب علم کا کوئی مراسلہ یا مضمون کسی اخبار میں شائع ہوتا، تو بہت خوش ہوتے، خود بھی کئی بار پڑھتے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کے لیے دیتے، ہمارے ایک ساتھی تھے، جن کو پڑھنے لکھنے کے علاوہ دوسری بہت ساری مصروفیات بھی درپیش رہتی تھیں، انھیں بہت جلد اندازہ ہوگیا کہ مولانا اپنے شاگردوں کی تحریر اخبار میں چھپنے سے بہت خوش ہوتے ہیں، سو وہ اپنی عادت کے مطابق کلاس سے ہفتہ پندرہ دن غیر حاضر رہتے، پھر جب آتے اور انھیں مولانا کی ڈانٹ پڑنے والی ہوتی، تو کلاس میں داخل ہوتے ہی وہ فوراً کسی اخبار میں شائع شدہ اپنا ایک مراسلہ ان کے سامنے پیش کر دیتے، استاد دیکھتے ہی ان کا غصہ کافور ہو جاتا اور اس بندے کا جرم معاف۔ اکیڈمی میں قیام کے دوران میں نے پاکستان کے معروف ادیب، صحافی و شاعر

آغا شورش کاشمیری مرحوم کی مختلف تصانیف سے مضامین کا ایک انتخاب مرتب کیا اور اسے شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی، تو مولانا نے خوب حوصلہ افزائی کی اور کتاب پر تحسین آمیز تشجیعی کلمات بھی تحریر فرمائے، اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کی صحافتی خدمات پر اپنا تحقیقی کام جو ''دارالعلوم دیوبند کا صحافتی منظر نامہ'' کے نام سے شائع ہوا، میں نے انھیں کی رہنمائی میں مکمل کیا، شروع سے آخر تک مجھے ان کی نگرانی حاصل رہی؛ بلکہ انھوں نے پورے مقالے کو تقریباً حرف بحرف پڑھا، حسبِ ضرورت ترمیم واصلاح کی اور بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی، وہ چاہتے تھے کہ یہ کتاب شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہو؛ لیکن مختلف اسباب کی بنا پر یہ ممکن نہ ہوسکا۔

۱۹۸۴ء میں دارالعلوم دیوبند کے اولین فاضل اور عظیم مجاہد آزادی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے منسوب ایک علمی، تحقیقی وتربیتی ادارے شیخ الہند اکیڈمی کا آغاز ہوا، جس کی سربراہی ممتاز عالم دین، مصنف ومفکر مولانا سعید احمد اکبرآبادی کو سونپی گئی؛ لیکن اس ادارے کو مولانا کی سرپرستی زیادہ دنوں تک حاصل نہ رہ سکی اور چند ماہ بعد ہی ۱۹۸۵ء میں مولانا اکبرآبادی وفات پا گئے، ان کے بعد اکیڈمی کا ڈائریکٹر حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری کو اور نگرانِ عام معروف مصنف ومؤرخ قاضی اطہر مبارک پوری کو مقرر کیا گیا اور وہ تاحیات اس کی نگرانی فرماتے رہے، جولائی ۱۹۹۶ء میں قاضی صاحب بھی رحلت فرماگئے، پھر شیخ الہند اکیڈمی کا ڈائریکٹر حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب رکن شوریٰ کو اور ناظم مولانا کفیل احمد علوی کو مقرر کیا گیا اور تب سے لے کر تادمِ واپسیں انھوں نے یہ ذمے داری پوری دیانت داری سے نبھائی، ۱۹۹۷ء میں مولانا ہی کے زیرِ نگرانی نئے فضلا کی صحافتی وتحریری تربیت کا ڈپلوما سطح کا ایک کورس شروع کیا گیا، جس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آئے، اس میں تدریس وتربیت کی تمام تر ذمے داری مولانا مرحوم اور معروف صحافی جناب عادل صدیقی کے سپرد رہی، بیچ میں (۲۰۰۴-۶ء) مشہور محقق ومصنف مولانا عبدالحفیظ رحمانی بھی اکیڈمی سے وابستہ رہے، بعد میں مؤخرالذکر دونوں حضرات کی اکیڈمی سے علیحدگی ہوگئی اور اکیڈمی کو اُس حد تک فروغ حاصل نہ ہوسکا، جس کا خواب مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے دیکھا تھا؛ لیکن اس کے باوجود مولانا کفیل احمد علوی کی ذاتی محنت اور اس میں زیرِ تربیت طلبہ کے شوق وذوق کی وجہ سے بیس پچیس سال کے عرصے میں اکیڈمی سے کئی ایسے فضلا نکلے، جنھوں نے صحافت یا تصنیف وتحقیق کے میدان میں خاصی شہرت حاصل کی اور متعلقہ حلقوں میں اپنے آپ کو تسلیم کروایا، نئی نسل میں مفتی اعجاز ارشد قاسمی، مولانا یوسف رام پوری، مولانا بختیار ثاقب قاسمی، مولانا احسن اللہ مظفرپوری، مولانا شاہد وصی، مولانا ذوالفقار بہرائچی وغیرہ بیسیوں فضلا صحافت، تحقیق وتصنیف کے شعبے میں مانوس

ومشہور نام ہیں اور یہ سب شیخ الہند اکیڈمی کے تربیت یافتہ ہیں، جب مولانا مرحوم کو اپنے شاگردوں کی کامیابی کے بارے میں پتا لگتا، تو ان کے چہرے کی چمک دیدنی ہوتی، وہ حقیقی معنوں میں ایک مخلص اور نہایت بےلوث استاذ تھے، سادگی ان کے رگ وپے میں ایسی رچی بسی ہوئی تھی کہ انھیں دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگاسکتا کہ وہ کس مرتبے کے انسان ہیں؛ شہرت وناموری سے گویا ساری عمر وحشت زدہ رہے، جلوت سے گریزاں اور خلوت گزینی ان کی فطرت کا حصہ بن گئی تھی، بے نیازی ایسی کہ ان کی تحریروں نے کئی ایک تیز طرار مولویوں کو صاحبِ تصنیف بنادیا۔ حضرت نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کی ایک تاریخ لکھی ہے، جو ابھی مسودے کی شکل میں ہے، میں نے انھیں دکھانے کو کہا تو وہ ٹال گئے، بتایا کہ اس میں انھوں نے اپنے آنکھوں دیکھے اور برتتے ہوئے مختلف حالات وواقعات کو پوری غیر جانب داری کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ان کی شاعرانہ خصوصیات بھی کمال کی تھیں، فنی اعتبار سے شاعری کے رموز واسرار انھوں نے مولانا عامر عثمانی سے سیکھے تھے اور پھر خود قادر الکلام شاعر ہوگئے، ''آئینۂ دارالعلوم'' کے صفحات پر موقع بموقع ان کی خوب صورت غزلیں اور نظمیں مسلسل شائع ہوتی تھیں، حالیہ دنوں میں ان کا ایک شعری مجموعہ بھی ''شوقِ منزل'' کے نام سے طبع ہوا ہے، ان کی شاعری عامر عثمانی کی طرح مقصدیت سے معمور ہے، عموماً چھوٹی چھوٹی بحروں اور سادے الفاظ میں بڑی قیمتی بات کہہ جاتے ہیں، سماج اور معاشرے میں پائی جانے والی خامیوں، کمزوریوں اور ملک وملت کے ناگفتہ بہ احوال کے پس منظر میں ان کے بہت سے اشعار اور نظمیں خاص معنویت کی حامل ہیں، ایک زمانے میں ان کی بعض نظمیں اور اشعار ملک بھر میں مشہور ہوئے اور ضرب المثل بن گئے تھے، معروف شاعر ڈاکٹر کلیم احمد عاجز کی دعائیہ نظم ''رات جی کھول کے پھر میں نے دعا مانگی ہے'' کی زمین میں مولانا کی بھی ایک طویل نظم ہے، جو آئینۂ دارالعلوم میں شائع ہوئی تھی، اس کے الفاظ، اسلوب، مشمولات، طرزِ اظہار واحساس میں وہی نازکی، گداز وسوز پائے جاتے ہیں، جو ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب کی نظم میں ہیں۔

بہرکیف! مولانا مرحوم نے بھرپور زندگی گزاری اور ہزاروں لوگوں کے لیے نفع بخش ثابت ہوئے اور اپنی عمرِ مستعار کی متعینہ مدت گزار کر ۱۲/مارچ ۲۰۱۷ء کو عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کرگئے، یہ حقیقت ہے کہ خلوت نشینی وبے نیازی نے گو اِس دنیا میں اُنھیں شہرت وناموری سے دور رکھا؛ مگر امیدِ قوی ہے کہ اللہ عزوجل کے یہاں ان کی جملہ خدمات وحسنات کا بہتر سے بہتر بدلہ مقدر ہوگا۔

❁ ❁ ❁